سماجی تبدیلی

کراچی کی کیس سٹڈی

(عارف حسن)

(آخری مسودہ، ۱۵ اپریل ۲۰۰۹ء)

(انٹرنیشنل ڈیولپمنٹ پلاننگ ریویو (IDPR) کے لیے لکھا گیا سیمپوزیم
۱۶ اور ۱۷ اپریل ۲۰۰۹ء کو لیورپول، یونائیٹڈ کنگڈم میں منعقد ہوا)

(کراچی کی غیر رسمی آبادیوں میں سماجیاتی اور معاشی تبدیلی کو باقاعدہ 'سائنسی' شہادتوں کے ساتھ کئی مقالوں میں پیش کیا گیا۔ تاہم اس مقالہ میں جس غیر معمولی صورت حال کو پیش کیا گیا ہے وہ ابھی تک کسی تحقیق یا مذاکرہ کا حصہ نہیں بنی ہے۔ یہ عجیب و غریب انکشاف ذاتی نوعیت کا ہے۔ چناں چہ یہ مقالہ واحد متکلم کے طور پر لکھا گیا ہے۔ جس کے لیے میں معذرت خواہ ہوں)

جنوب میں واقع شہروں میں عالم گیریت (globalization) اور ذرائع ابلاغ (میڈیا) میں انقلابی تبدیلیاں آنے سے ان شہروں کے طبقہ اشرافیہ اور متوسط گھرانوں کی معاشرتی اقدار اور طرز زندگی اس قدر بدل گیا ہے جو قطعاً عیاں ہے۔ نئی گاڑیاں، نئی وضع قطع کے بوتیک اور جھٹ پٹ کھانوں (فاسٹ فوڈ) کی دکانوں، خریداری کے لیے 'مالز' مہنگے کیفے ٹیریا، نجی شعبہ میں شاندار تعلیمی اداروں اور یونیورسٹیوں کا اجراء اور صارفیت کو بڑھاتی ہوئی اشتہار بازی کا ہر طرف زور ہے۔ کراچی اس کی زد سے باہر نہیں ہے۔ تاہم نچلے اور نچلے متوسط طبقات کی معاشرتی اقدار اور طرز زندگی میں تغیر و تبدل کا دور، آباد غیر رسمی بستیوں اور شہر کے گرد و نواح میں واقع اپارٹمنٹ کمپلیکسز کے نہاں خانوں میں پوشیدہ ہے۔ اس تغیر و تبدل کا سب سے بڑا مظہر عوامی سطح پر نظر آنے والا نوجوان جوڑوں کا پارکوں اور ساحل سمندر پر ایک دوسرے کے کمر میں ہاتھ ڈالے بنچوں پر بیٹھے دکھائی دیتا ہے۔ اور بعض اوقات تو وہ ایک دوسرے کی گود میں لیٹے نظر آتے ہیں۔ ان کے اس رویّے کو سیر و تفریح کے لیے آنے والے دوسرے لوگوں نے بڑے تحیر انگیزی کے ساتھ برداشت کیا ہے اور بعض جگہ یہ صورت حال علاحدہ علاحدہ جگہیں برائے بال بچہ دار گھرانوں، تنہا مردوں اور جوڑوں کی صورت میں مختص کیے جانے کا محرک اور سبب بھی بنا ہے۔ پندرہ سال قبل اس رویّہ کے بارے میں کوئی سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔ پولیس ایسے جوڑوں کو گرفتار کر لیتی اور عوامی مقامات پر آنے والے ملاقاتی ان کا مزاج درست کر دیتے۔ اس تبدیلی اور بدلاؤ کی اہمیت کو پرکھنے اور اس کی معاشرتی اقدار اور خاندانی ڈھانچوں پر بازگشت و اثرات کی تہ تک جانے کے لیے جنوبی ایشیا کی معاشرت سے قربت و تعلق رکھنا ضروری ہے اور میں اسی معاشرہ اور سماج کا پروردہ ہوں۔ میری دانست میں کوئی چیز بہت بنیادی سطح پر وقوع پذیر ہوئی ہے۔

اس دنیا کو ایسے نوجوان جوڑوں کی آنکھ سے دیکھنے کے لیے اور اس مظہر کی حقیقت کو سمجھنے کے لیے اور اس کی پس پشت حقائق کو کھوجنے کے لیے میں نے ۲۰۰۰ء سے ۲۰۰۶ء تک ان نوجوان جوڑوں سے جو پارکوں اور ساحل سمندر پر آتے ہیں انٹرویوز لیے ہیں اور اور سو (۱۰۰) ایسے جوڑوں سے ایک سوال نامہ بھروایا ہے۔ یہ بات حیرت انگیز ہے کہ ایسے تمام نوجوانوں کا تعلق نچلے اور نچلے متوسط طبقہ سے تھا۔ عمر کے اعتبار سے ان میں اٹھارہ (۱۸) فیصد چوبیس (۲۴) سال کے تھے۔ چھیاسٹھ (۶۶) فیصد کی عمریں اٹھارہ (۱۸) سے چوبیس (۲۴) سال کے درمیان تھیں اور سولہ (۱۶) فیصد اٹھارہ (۱۸) سال سے کم عمر کے تھے۔ اٹھارہ (۱۸) فیصد مرد اور چھ (۶) فیصد خواتین حال ہی میں نقل مکانی کر کے آئے تھے۔ تریسٹھ (۶۲) فیصد مرد اور اکیاسی (۸۱) فیصد خواتین کا تعلق ۱۹۴۷ء سے ۱۹۵۲ء کے دوران ہجرت کر کے یہاں آنے والوں میں تھا۔ انیس (۱۹) فیصد مردوں اور تیرہ (۱۳) فیصد خواتین ان گھرانوں سے تعلق رکھتے تھے جو یہاں کراچی میں آزادی سے قبل آ کر آباد ہوئے تھے۔ یہ اعداد و شمار اور انٹرویوز یہ بتاتے ہیں کہ برادریوں کے کمزور تانے بانے کی وجہ سے زیادہ معاشرتی آزادہ روی میسر آئی، بالخصوص خواتین کو۔

اٹھائیس (۲۸) فیصد خواتین اور بتیس (۳۲) فیصد مردوں نے مدرسہ کی شکل تک نہ دیکھی تھی یا ان کی تعلیم اور تدریس پرائمری اسکول کی سطح تک ہوئی تھی۔ بقیہ لوگوں نے اپنا مڈل اسکول (7th grade) مکمل کر لیا تھا۔ ان میں سے اکتالیس (۴۱) خواتین اور بیالیس (۴۲) مرد ہائی اسکول تک کی تعلیم مکمل کر چکے تھے۔ محض گیارہ (۱۱) مرد اور تیرہ (۱۳) خواتین کالج تک پہنچے تھے یا اب جا رہے تھے۔ اڑسٹھ (۶۸) فیصد مائیں اور چھتیس (۳۶) فیصد باپ جن کا تعلق انٹرویوز دینے والے مردوں اور عورتوں سے تھا وہ ان پڑھ تھے یا تھوڑے بہت پڑھے لکھے تھے۔ صرف اٹھارہ (۱۸) فیصد نے کہا کہ کبھی ان مائیں بھی رسمی ملازمت کیا کرتی تھیں۔ انٹرویوز دینے والوں میں سے اکتیس (۳۱) فیصد افراد غیر رسمی بستیوں میں رہائش پذیر تھے۔ اٹھارہ (۱۸) فیصد رسمی اور باقاعدہ آبادیوں میں قیام پذیر تھے اور بقیہ اپارٹمنٹ کمپلیکسز میں رہتے تھے۔ سترہ (۱۷) فیصد ذکور اور اکیس (۲۱) فیصد اناث طالب علم تھے۔ دوسرے لوگ ملازمتیں کر رہے تھے۔ ان ملازمتوں میں خانہ دار معاون، ٹیکسی ڈرائیورز، بینکس کو اپنی خدمات پیش کرنے والے، طبی شعبہ میں کام کرنے والے لیب اسسٹنٹس اور اسکول کے اساتذہ تھے۔

سو (۱۰۰) جوڑوں میں اٹھائیس (۲۸) شادی شدہ تھے۔ سو (۱۰۰) خواتین میں سے بتیس (۳۲) نے اپنے سر ڈھانپ رکھے تھے اور اکیس (۲۱) مزید خواتین نے سلیٹی رنگ کی یا کالے رنگ کی عبا (ایک ڈھیلی ڈھالی اوپری پوشاک) اوڑھ رکھی تھی۔ صرف اٹھارہ (۱۸) جوڑے سیاسیات میں دلچسپی رکھتے تھے یا وہ اخباروں میں سیاسی خبریں پڑھتے تھے۔ تراسی (۸۳) جوڑوں نے اپس میں بحث ومباحثہ کیا تھا کہ اگر وہ کسی دوسرے ملک کی طرف نقل مکانی کر جائیں تو اس کے فوائد کیا ہوں گے۔ خواتین کی اکثریت کے لیے یہ خیال تکلیف دہ تھا۔ سات (۷) شادی شدہ جوڑوں اور سولہ (۱۶) غیر شادی شدہ جوروں نے ہجرت کر کے کسی اور ملک میں جا بسنے کے لیے کچھ اقدامات کیے تھے۔ ہجرت کرنے کے اسباب اپنی اہمیت کے اعتبار سے بالترتیب یہ تھے۔ اول یہ کہ یہاں پاکستان میں انصاف نہیں ہے۔ انصاف کے حصول کے لیے آپ کو تعلقات اور پہنچ درکار ہے یا پھر مٹھی گرم کر کے یہ انصاف حاصل کیا جا سکتا ہے۔ دوئم وہ عمر بھر یہاں اس لائق نہیں ہوں گے کہ ان کے پاس رہنے کے لیے اپنی جگہ ہو یا وہ ایک معقول مکان کا کرایہ بھر سکیں۔ سوئم شادی شدہ جوڑے اس بات سے سہمے ہوئے تھے کہ وہ اپنے بچوں کو مناسب طریقہ سے تعلیم نہیں دلا سکیں گے اس لیے کہ اچھی تعلیم کا حصول ایک بہت مہنگا سودا ہے۔ چہارم ان کی دسترس میں کوئی ایسی سیر اور تفریح نہیں تھی ماسوائے ٹیلی وژن کے۔ پنجم خاندان میں بہت سارے تنازعات تھے ان میں سے بیشتر نوجوان برتاؤں اور رویہ سے متعلق تھے اور ان کی دانست میں مطلوبہ رویہ ریاکارانہ تھے۔ اور ششم یہ کہ وہ جن حالات میں رہتے، کام کرتے اور آتے جاتے ہیں ان کی دانست میں وہ ماحولیاتی اعتبار سے حد درجہ تکلیف دہ اور پر آزار ہیں۔ پانچ (۵) غیر شادی شدہ جوڑوں کے والدین ان کے تعلقات کے بارے میں آگاہ تھے لیکن معاشرتی تاملات اور تحفظات کی وجہ سے وہ ایک دوسرے سے پاس پڑوس یا اس کمپلیکس جس میں وہ رہتے تھے کھلم کھلا ایک دوسرے سے نہیں مل سکتے تھے۔ ان انٹرویوز سے یہ صداقت سامنے آئی کہ حقائق اور خواہشات کے درمیان بڑا خلا ہے۔ یہ جوڑے یقیناً نوجوانوں کی اکثریت کے مظہر نہیں ہیں جن کا تعلق نچلے اور نچلے متوسط آمدن والی کراچی کی بستیوں سے ہے۔ اس کے باوجود وہ بلاشبہ ایک رجحان ساز روش کے سفیر اول ضرور ہیں۔ جن کی تعداد بڑی تیزی سے بڑھتی جا رہی ہے۔

۲۰۰۰ء-۲۰۰۲ء کے دوران لیے گئے انٹرویوز اور ۲۰۰۶ء میں لیے گئے انٹرویوز کے درمیان ایک واضح فرق پایا جاتا ہے۔ سابقہ انٹرویوز میں جوڑے نے اپنے تعلقات کی نوعیت پر معذرت خواہانہ انداز لیے ہوئے تھے۔ اپنے بزرگوں کے لیے تعظم وتکریم کے جذبات سے مملو تھے اور پولیس کے ان معاملات میں ملوث ہونے پر ان کے تخت گیر رویے کے بھی شاکی تھے۔ جو انٹرویوز بعد میں لیے گئے ان میں تمام جوڑے پر اعتماد اور معاشرہ و سیاست کے ناقد ہیں اور بتاتے ہیں کہ اب پولیس انہیں ہراساں نہیں کرتی۔ عوامی مقامات پر آنے والے گھرانوں کا وہ انداز کے صاحب خانہ آگے آگے اور اس کے پیچھے اور خاتون خانہ مع چار پانچ بچوں کے جو اس کے قدموں سے لپٹے (ڈانٹ ڈپٹ کھاتے اور ادر گرد دہکائے جاتے) تقریباً یہ منظر او جھل ہو گیا ہے۔ گھرانے ابھی پارک اور ساحل سمندر پر کھانا ساتھ لاتے ہیں لیکن اب یہ جوڑے کھانا خوانچہ اور رہواں موجود اسٹالز سے خریدتے ہیں۔

اس کے بعد میں نے پارکوں اور ساحل سمندر پر آنے والے دوسرے سیاحوں سے پوچھنے کا فیصلہ کیا کہ وہ ان جوڑوں کے 'تکلیف دہ' رویہ کے بارے میں کیا محسوس کرتے ہیں۔ میں نے یہ سوال تیس (۳۰) افراد سے کیا۔ گیارہ افراد نے بڑی سختی سے سماجی اور مذہبی بنیاد پر اس رویہ کی مذمت کی اور یہ خیال ظاہر کیا کہ اس قسم کے رویہ پر پابندی عائد کی جانی چاہیے۔ پانچ (۵) نے بھی یہی محسوس کیا کہ غیر شادی شدہ خواتین اور حضرات کے درمیان اس طرح کی ملاقاتیں (dating) نہیں ہونا چاہیے۔ ساتھ ہی انہوں نے ان کے خلاف کوئی قدم اٹھانے سے اپنی معذوری کا بھی اظہار کیا۔ دس (۱۰) افراد ایسے تھے جنہوں نے اسے نئی نسل کے لیے برا جانا تاہم انہیں اس قسم کی ملاقاتوں (dating) میں کوئی قباحت بھی محسوس نہیں ہوتی۔ نو (۹) فیصد افراد کو اس میں کسی تاویل کی ضرورت محسوس نہیں ہوئی تاوقت کہ یہ کچھ ایک 'خاص حد' تک محدود رہے۔ یہ حد کیا ہے؟ اسے کوئی بھی نہ بتا سکا۔ اس کے علاوہ میں نے پولیس موبائل جو وہاں ایک پارک پر متعین تھی اس سے پوچھا کہ وہ اس میں مداخلت کیوں نہیں کرتے؟ انہوں نے جواب دیا کہ ان کے افسر نے انہیں سختی سے منع کر دیا ہے کہ کیوں کہ جو سیاسی جماعت اس وقت کراچی میں برسر اقتدار ہے اس نے فیصلہ کیا ہے کہ نوجوانوں کو ڈرایا دھمکایا اور ہراساں نہ کیا جائے۔

اس نمایاں تبدیلی کے اہم محرکات ٹیلی ویژن اور متمول وخوش حال طبقہ کے طرز زندگی سے بوند بوند ٹپکتی ہوئی معاشرت کے علاوہ دوسرے عوامل کو سمجھنا بہت ضروری ہے۔ میری دانست میں ایک وجہ ہماری تاریخ میں پہلی مرتبہ اتنی بڑی تعداد میں الھتی جوانی اور بلوغت کی سرحدوں کو چھوتے ہوئے غیر شادی شدہ نفوس ہیں۔ ۱۹۸۱ء کی مردم شاری میں ۵۴٫۲۷ فیصد خواتین اور ۱۴٫۱۳ فیصد مرد جن کی عمریں پندرہ (۱۵) سے چوبیس (۲۴) سال کے درمیان تھیں غیر شادی شدہ تھے۔ اور ۶۶٫۷ فیصد مرد اور ۲۳٫۱۲ فیصد خواتین جو اسی حلقہ عمر کے تھے وہ پڑھے لکھے اور تعلیم یافتہ تھے۔ اگر ہم ۱۹۹۸ء کی مردم شاری کے اعداد وشمار سے لے کر ۲۰۰۷ء تک تو بیس ۲۰ فیصد سے کم خواتین اور چھ (۶) فیصد سے کم مرد جو اس ہی عمر کے زمرے میں آتے ہیں آج شادی شدہ ہیں اور شرح خواندگی اس عمر کے حلقہ میں مردوں اور خواتین دونوں میں اسی (۸۰) فیصد سے زیادہ ہے۔ ایسی پرانی بستیاں جنہیں میں ۱۹۷۰ء اور ۱۹۸۰ء کے عرصہ سے جانتا ہوں وہ بھی بدل گئی ہیں۔ اس وقت یہ بستیاں خالصتاً محنت کشوں کی بستیاں تھیں اور بیشتر خواتین رسمی طور کی ملازمت سے وابستہ نہیں تھیں۔ آج وہ ڈاکٹر ہیں، انجینئر ہیں، رسمی کاروباری شعبہ سے منسلک ہیں، کاروباری اداروں اور انفارمیشن ٹیکنالوجی کے شعبہ سے تعلق رکھتے ہیں، بینکوں میں منیجر ہیں، کالج اور اسکول میں اساتذہ کے فرائض انجام دیتے ہیں (ان میں سے اسی (۸۰) فیصد خواتین ہیں) جو آج ان آبادیوں میں قیام پذیر ہیں۔ البتہ اکثریتی آبادی ابھی تک محنت کشوں اور مزدوروں ہی کی ہے۔ اب ان پرانی بستیوں میں بھی خواتین کے لیے بیوٹی پارلرز کھل گئے ہیں (جو ہمیشہ بھرے رہتے ہیں) اور سج دھج والے شادی ہال وجود میں آ گئے ہیں۔ برادریوں کے سربراہ جن سے ہمارا واسطہ ۱۹۷۰ء اور ۱۹۸۰ء کے اوائل میں پڑتا تھا وہ رسمی تعلیم سے محروم بزرگ ہوا کرتے تھے جو لچھے دار جاگیر دارانہ زبان استعمال کیا کرتے

تھے۔ان کی جگہ آج تعلیم یافتہ نوجوان ہیں اوران کا لب ولہجہ اور زبان بدل گئی ہے اورحقائق کی ترجمان بن گئی ہے۔آبادیاں ہنوزاپنی مدد آپ پر چل رہی ہیں۔ان تمام معاشرتی تبدیلیوں کے باوجودحکومت، عطیہ دہندگان انٹرنیشنل فنانشل انسٹی ٹیوشنز (آئی ایف آئی) کی مدداور تعاون سے چلنے والے پراجیکٹس ان آبادیوں کے لیےابھی تک ۱۹۸۰ءکی روش پر قائم ہیں۔مجبوراًیہ سوال زبان پر آتا ہے کہ یا یہ تمام تبدیلیاں ترقیاتی پروجیکٹس اور پروگراموں کے لیے کوئی معنی نہیں رکھتیں؟

اس تبدیلی کے ساتھ کچھ اور مسائل بھی جڑے ہوئے ہیں۔اخباری اطلاعات سے یہ بات علم میں آتی ہے کہ روزانہ آٹھ سو(۸۰۰) درخواستیں کراچی کی عدالتوں میں داخل کی جاتی ہیں تا کہ وہ عدالتی اجازت نامہ کے ساتھ شادی کرسکیں۔ان درخواستوں میں نصف سے بھی زیادہ کراچی شہر کی حدود سے باہر رہنے والوں کی طرف سے پڑنے والے دباؤ کے خلاف تحفظ کا متمنی ہوتا ہے۔زیادہ آزادروی کی وجہ سے عزت ووقار کی خاطرقتل عمدکی تعداد بہت بڑھ گئی ہے۔بیس سال قبل اکادکا ہی ہوتے تھے۔ایک اور مسئلہ جورویوں کے طورطریقوں کو متاثر کررہا ہے وہ یونیورسٹی کے طلبا میں خصلت ومزاج کی تبدیلی کا ہے۔کراچی یونیورسٹی کے طلباء میں اڑسٹھ (۶۸) فیصد میڈیکل کے کل طلباء میں سے ستاسی (۸۷)فیصد، انجینئرنگ یونیورسٹی کے طالب علموں میں سے پچاس (۵۰) فیصد اور آرکیٹیکچر اینڈ پلاننگ بانوے(۹۲) فیصد، طالب علم خواتین ہیں۔یہ تبدیلی (سوائے میڈیکل کے طلباء کے) گذشتہ ایک عشرہ میں وقوع پذیر ہوئی ہے۔

اس زیادہ آزادی کی وجوہات کو سمجھنے کے لیے میں مذاکرات کے مراحل سے گزر رہا ہوں۔وہ تبدیلیاں جو میں نے ان کم آمدن والی آبادیوں میں دیکھی ہیں انہیں یہاں کے قدیم مکینوں اورزیادہ فعال ترقی پذیر خاندانوں کے ساتھ زیر بحث لارہا ہوں۔میں اب تک چھبیس (۲۶) انٹرویوز لے چکا ہوں۔انٹرویوزاس بات پر عمومی اتفاق رائے پایا جاتا ہے کہ جو بڑی تبدیلیاں پیدا ہوئی ہیں وہ توسیعی یا مشترکہ خاندان کی ٹوٹ پھوٹ کا نتیجہ ہیں اوراس انتشار نے اقدار کی تبدیلی اوررویوں کے چلن کے تغیر میں ایک نمایاں کردارادا کیا ہے۔مشترکہ خاندانی نظام کے منتشر ہونے کی بیشتر وجوہات میں سے ایک وجہ یہ ہے کہ پہلے کمانے والا ایک ہوتا تھا اور باقی اس کے تابع اوردست نگر ہوتے تھے۔آج کمانے والے ایک سے زیادہ ہیں (اگر ایسا نہ ہوتو چولہا نہیں چلے گا) وراسی لیے پدرسری خاندانی نظام زندہ نہیں رہ سکتا۔بیرون ملک سے آنے والی رقوم بھی اس مشترکہ خاندانی اتحاد کوافتراق وانتشار میں بدلنے کا سبب تھیں۔یہ توسیعی خاندانی نظام اورنیوکلیئر فیملی (میاں، بیوی اوربچوں پر مشتمل گھرانا) کے درمیان حسد جلن کا سبب اس لیے ہیں کہ یہ رقوم بھیجی بیوی بچوں کے لیے جاتی تھی (اورخرچ پورے گھرانے پر ہوتی تھی) لہٰذا رشتے ناتے ٹوٹنے اوربکھرنے لگے۔علاوہ ازیں وہ خواتین جوکام کرتی ہیں انہوں نے بھی اس مشترکہ خاندانی نظام کو بری طرح متاثر کیا ہے۔ان خواتین کی ملازمت نے خاندان میں عزت وناموس کے مسئلے کھڑے کردیئے۔ان کا روایتی اقدار سے ہٹا ہوا رویہ گھرانوں میں لڑائی جھگڑے کا باعث بن گیا۔ان چھبیس (۲۶) افراد میں سے جن کا انٹرویو لیا گیا تھا گیارہ (۱۱) نے اس مشکل کا ذکر بھی کیا کہ وہ شادی بیاہ کے لیےاپنے بچوں کے لیے ہم سفر کی تلاش میں اپنے گھرانوں اورتوسیعی نظام خاندان میں رشتہ تلاش کرنے میں ناکام رہے ہیں۔اس کی ایک وجہ یہ بھی بتائی کہ اب پہلے کی طرح وہ اپنے ہم جنسوں اورہم زادوں کے ساتھ پاس پڑوس میں مل کرنہیں رہتے۔اس کی ایک اوروجہ یہ بھی ہے کہ کچھ ہم قبیلہ ارکان کی سماجی غیر مستقل مزاجی کی وجہ سے گروہی رشتوں ناتوں اورتنظیمی امور (جواپنے خیل کے اراکین کے درمیان پائے جانے والے اختلافات کا تصفیہ کراتے تھےاورسرکاری اداروں میں ان کے دعووں کی نمائندگی کرتے تھے) میں رخنہ پڑگیا ہے اوراب یہ غیرفعال ہوچکے ہیں۔اس کا بدیہی انجام ہوا ہوا کہ زیادہ تر شادیاں خاندان سے باہر ہورہی ہیں اوران شادیوں کی وجہ سے توسیعی خاندانی نظام مزید پارہ پارہ ہوگیا ہے۔

اس بڑھتی ہوئی آزادی اور بے باکی کی ایک اوردلچسپ وجہ جو بتائی گئی وہ یہ ہے کہ باپ گھر پرشاید ہی کبھی موجود ہوتا ہے۔اس کی تین وجوہات ہیں۔پہلی یہ کہ کم آمدن والے گھرانے اپنے کام کی جگہ سے بہت زیادہ فاصلے پر رہتے ہیں۔باپ صبح صبح گھر سے نکلتا ہے اورگھر بہت دیر میں آتا ہے۔دوسری وجہ یہ ہے کہ گھر ہروقت بھرا رہتا ہے۔دو کمرے ہیں اورآٹھ دس رہنے والے۔جب لوگ گھر سے باہر ہوں تو ماں سکون کی ٹھنڈی سانس بھرتی ہے اورتیسری وجہ یہ ہے کہ ہرشخص مصروف ہےاس لیے کہ ہرشخص کام کرتا ہے۔یہ مسائل بھی سرسری طور پر جوڑوں سے کیے جانے والے انٹرویو میں سامنے آئے۔میرے دوست منصوررضا کے ایک سروے کے مطابق جوانہوں نے کراچی کی گلیوں اورپتھاروں پر سونے والے افراد (منشیات کے عادی لوگوں کو چھوڑکر) کا کیا تھاان میں زیادہ تر وہ نوجوان تھے جو'آزادی' سے متعلق مسئلہ مسائل کی وجہ سے گھر سے بھاگ کرآئے تھےاوران میں وہ بوڑھے بھی شامل تھے جنہیں توسیعی خاندانی نظام کی ٹوٹ پھوٹ کے بعدان کے اہل خانہ نے بے یارومددگار چھوڑ دیا تھا۔یہ بات بھی بڑی دل پسندتھی کہ انگلیوں پر گنی جانے والی محض چند خواتین تھیں جوسڑکوں پر بسیرا کرتی ہوں۔

ایک مباحثہ کے دوران یہ بات بھی علم میں آئی کہ لوگ وہ تبدیلی جو آچکی ہے اس کا شعورنہیں رکھتے اوریہی وجہ ہے کہ وہ قدرے الجھے ہوئے نظر آتے ہیں۔مثال کے طور پر ایک شخص نے بتایا کہ کس قدر دل سوزی اورصدمات سہنے کے بعد اس نے اپنی بیٹی کواپنی برادری سے باہر شادی کرنے کی اجازت دی۔وہ اپنے قبیلہ کے ہونے والے ردعمل کی وجہ سے حد درجہ سہما ہوا تھا۔لیکن برادری کا کوئی ردعمل دیکھنے میں نہیں آیا سوائے چند بزرگوں کے تعریضی جملوں کے۔اس کے ہم مرتبت لوگوں نے کوئی خاص توجہ نہیں دی۔روایات دم توڑ چکی ہیں لیکن ہم بے خبر ہیں اورڈر کے مارے اس موضوع پرگفتگونہیں کرتے۔یہ تھا اس کا ماحاصل۔

بزرگ مکیں اس بات سے اتفاق رکھتے ہیں کہ جوانوں کی ایک بڑھتی ہوئی تعداد بے ادب اورغیر مہذب ہیں۔اس کی ایک وجہ یہ دی گئی کہ والدین بہت آزاد منش ہوگئے ہیں اوراس کی وجہ بدلا ہوا زمانہ ہے۔دوسری وجہ یہ بتائی گئی کہ بے روزگاری اورعوامی تعلیمی نظام کی ہولناک صورت حال اورعدم افادیت ہے۔بے شمار نوجوان میٹرک اورانٹر پاس

کرنے کے بعد وہ ہاتھ پاؤں سے محنت کرنے کو کتراتے ہیں۔ جب کہ بازار میں ان ملازمین کی مانگ ہے جو کسی تیکنیکی ہنرمندی کے حامل ہوں اور ان میں بھی بیشتر ادارے ایسے افراد کے متلاشی رہتے ہیں جن کے پاس رسمی اداروں کی اسناد موجود ہوں۔ محض کسی استاد کی ماتحتی میں سیکھا ہوا کام ان اداروں کے لیے معنی نہیں رکھتا۔ یہ ملازمتیں زیادہ تر ٹیکسٹائل میڈیکل اور کنسٹرکشن کی صنعتوں میں ہوتی ہیں تاہم ایسے تعلیمی مراکز جہاں ان کاموں کی تربیت دی جاتی ہے وہ مالی اعتبار سے دسترس سے باہر ہیں۔

مذکورہ بالا مباحثہ اس حقیقت کی نشان دہی کرتا ہے کہ اگر سب کچھ حالات پر چھوڑ دیا جائے تو ہم اگلے دہے میں تضادات اور مذاکرات کا خلق کردہ معاشرہ کراچی شہر میں نظر آئے گا۔ بزرگوں اور جوانوں دونوں کے لیے یہ آزار رساں تجربہ ہوگا۔ تاہم ایک مراجعتی سیاسی انقلاب اس تبدیلی کو ہمارے رویوں، وضع قطع اور عوامی مفادات کے استعمال میں پیدا ہو چکی ہے اسے واپس تہ کر کے سیٹا سیٹی کر سکتا ہے۔ اس تغیر و تبدل کو جس کا ذکر اوپر کیا جا چکا ہے قابل قبول بنانے کا ایک کم مشکل اور کم تکلیف دہ طریقہ کار یہ ہے کہ وہ روایات اور نئے سماجی حقائق کے درمیان افہام و تفہیم کی راہ کا اختیار کیا جانا انتہائی اہم ہے۔ ایسا صرف اس طرح ممکن ہو سکتا ہے کہ ریاستی ثقافت (state culture کو متعارف کرایا جائے جو نئی سماجیاتی اقدار کو تعلیم اور ذرائع ابلاغ (میڈیا) کے تو سط سے عام کرے۔ اس کا مطلب ہے کہ تعلیمی اداروں کے نصاب میں تبدیلی لائی جائے (بالخصوص پرائمری اور مڈل اسکولوں کے نصاب میں) انٹرمیڈیٹ کی سطح پر تیکنیکی تعلیم کا اجراء جو عوام کی دسترس میں ہو۔ ساتھ ہی ایسی سیر و تفریح کا اہتمام، راحت رسانی اور ثقافتی سرگرمیوں کا فروغ جو مالی اعتبار سے قابل برداشت ہوں۔ یہ اس بات کا بھی استعارہ ہے کہ اس سے ملتی جلتی ترقیاتی تبدیلیاں شہروں کی منصوبہ بندی اور پروگراموں کی ترجیحات میں شامل ہونا چاہیے۔ یہ کیسے ممکن ہوگا اور کون ان تبدیلیوں کو شعوری طور پر آگے بڑھائے گا اس پر ابھی مکالمہ کی ضرورت ہے۔ بہر حال ایک بات طے ہے کہ نیا شہری ترقیاتی پیراڈائم یعنی عالمی سطح کے شہر ورلڈ کلاس سٹیز براہ راست بیرونی سرمایہ کاری DFI سرمایہ کاری کا دوستانہ انفرا اسٹرچر غیر رسم بستیوں کا نظر ثانی شدہ ترقیاتی پروگرام جیسے اپارٹمنٹس جو بعد میں ترمیم و توسیع کی راہ میں حائل ہیں، مالز (malls) جو مقامی تجارتی سرگرمیوں کی نفی کرتے ہیں اور گلوبلائزیشن کا پورا کا پورا کلچر صرف اور صرف ان فاصلوں کو بڑھاتا ہے جو ہماری انتہائے آرزو اور حقائق کی دنیا کے درمیان ہے۔

ختم شد